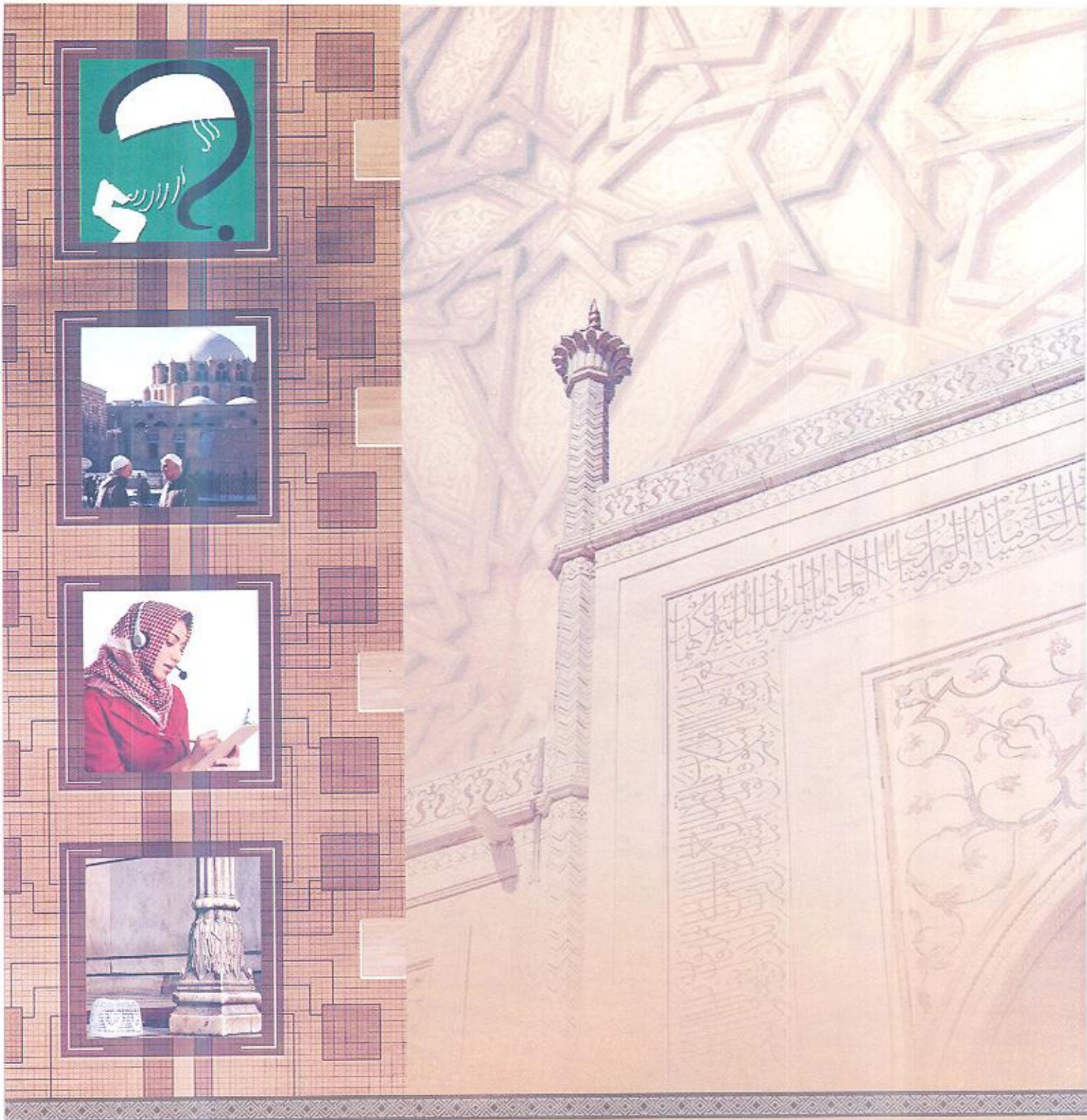

مسلم شناخت

فکری و عملی تناظر

اسلامی شناخت اور منافقت

مغرب میں رہائش پذیر مسلمانوں کی اسلامی شناخت کے حوالے سے ہم اکثر منافقت کا شکار رہتے ہیں۔ ایک جانب تو ہم ان سیکولر معاشروں کو مذہب پر مبنی اسلام دشمن معاشرے قرار دیتے ہیں اور ان سے اسلامی شناخت کی حفاظت کی توقع بلکہ مطالبہ کرتے ہیں۔ دوسری جانب ہم مسلم معاشروں میں نہ ماضی میں نہ حال میں کبھی غیر مسلموں کو وہ حقوق دینے کے قائل نہیں رہے جن کا ہم غیر مسلم معاشروں سے مطالبہ کرتے ہیں اس منافقت کا بڑا سبب یہ ہے کہ ہم غیر مسلم معاشروں میں اس بہت بڑی تبدیلی کو سمجھ نہیں پا رہے جس کی وجہ سے ہم مسلمان ہوتے ہوئے وہاں کی شہریت حاصل کرتے ہیں اور وہ آزادی اور منافع حاصل کر سکتے ہیں جو اسلامی معاشروں میں حاصل نہیں۔ ہم ابھی استعماری محکومیت کے ذہن کے ساتھ سوچتے ہیں۔ اگر ہم واقعی یہ محسوس کرتے ہیں کہ ان غیر مسلم معاشروں میں ہم اسلامی شناخت کے ساتھ زندہ نہیں رہ سکتے تو وہاں سے ہجرت کر کے اسلامی معاشروں میں واپس آ جائیں۔ جن معاشی مفادات اور آزادیوں کی خاطر ہم اسلامی معاشروں سے غیر مسلم معاشروں میں ہجرت کرتے ہیں ان کے لیے اسلامی معاشروں میں جدوجہد کیوں نہیں کرتے۔

شناخت اور فقہ اسلامی

ڈاکٹر محمد خالد مسعود

مدینہ منورہ کی عربی میں یونانی، چینی، حبشی اور فارسی زبان کے کئی الفاظ تھے۔ اسلامی معاشرت اپنی اسی خصوصیت کی وجہ سے کہ یہ رنگ و نسل، زبان اور ثقافت و تہذیب کی بنیاد پر تفریق نہیں کرتی، دین اسلام کی اشاعت کا سبب بنی اور ابتدائی تین صدیوں ہی میں ساری دنیا میں اسلام پھیل گیا۔

اسلامی معاشرہ ابتداء ہی سے مختلف ثقافتوں سے مزین تھا۔ اس زمانے کا حجاز بین الاقوامی تجارتی شاہراہ پر واقع تھا، جو شام کے ذریعے روم اور بازنطین سے اور یمن کے ذریعے ایک جانب حبشہ اور ہند سے اور دوسری جانب فارس سے جڑا ہوا تھا۔ مدینہ منورہ میں جہاں یہودی آباد تھے اور جن کے مذہب اور ثقافت سے بنواوس بھی متاثر تھے، وہاں صحابہ کرامؓ میں ایسے لوگ بھی موجود تھے، جن کا تعلق حبشہ، فارس اور روم سے تھا۔ ہجرت مدینہ سے پہلے صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی تعداد نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی اور ان کے ذریعے بھی وہاں کی ثقافت کے اثرات مدنی معاشرت میں آئے۔ تاہم عرب و عجم کی جو تفریق قبل از اسلام جاہلی معاشرے میں بہت شدت سے موجود تھی، اسے دور کرنے میں بہت عرصہ لگا۔ مدنی دور میں عرب زمانہ جاہلیت کے بہت سے تعصبات کو جو زبان اور نسب کی بناء پر تشخص پر اصرار کرتے تھے، ختم کرتے ہوئے اسلام نے اس بات پر زور دیا کہ زبان اور نسب پہچان کے لیے ہیں۔ ان کی بنیاد پر کسی کو برتر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ برتری کا معیار انسانیت اور تقویٰ ہیں۔ زبان اور نسب دینی تشخص کی بنیاد بھی نہیں۔

اسلام بطور دین تمام ادیان کو ہدایت کے ایسے سلسلے کی مختلف کڑیاں قرار دیتا تھا، جو اللہ کے بھیجے ہوئے رسولوں اور نبیوں کے ذریعے ظہور میں آئی تھیں۔ یہود اور نصاریٰ بھی اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ ان کی حیثیت اہل کتاب کی تھی۔ اس لیے نبی اکرم ﷺ نے مدینہ کے یہود کی بہت سی عادات اور روایات کی تائید کی۔ حتیٰ کہ آپؐ نے ان صحابہؓ کو جو قبول اسلام سے پہلے یہودی اور نصرانی روایات کے عالم تھے، اجازت دی کہ وہ تورات اور انجیل کی تلاوت جاری رکھیں۔ ابن سعد زہری (م ۲۳۰ھ) کی روایت کے مطابق ایک صحابی ابوالجلد جیلان بن فروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تورات کی تلاوت مکمل کرتے تو اس تقریب میں دوسرے صحابہ بھی شریک ہوتے۔ (1) البتہ نبی اکرم ﷺ نے ان کی ایسی روایات و عادات کو جو غیر مسلموں کے مخصوص دینی تشخص کی علامت ہیں، اختیار کرنے سے منع کیا اور اسے ''تشبہ'' کے لفظ سے یاد کیا۔ احادیث میں تشبہ کی ممانعت اسی مفہوم میں ہے۔ فقہاء نے انہی احادیث کی بنیاد پر ''التشبہ بالکفار'' یعنی کفار سے مشابہت کے مسائل ترتیب دیئے۔ ان فقہی مباحث کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ فقہا دینی اور ثقافتی شناختوں میں امتیاز کے قائل تھے۔

تاریخ اسلام کے مختلف ادوار میں جوں جوں اسلامی معاشرے پر غیروں کی یلغار بڑھی، کفار سے مشابہت کا مسئلہ اہمیت اختیار کرتا گیا۔ تاہم مختلف ادوار میں ثقافتی اور تاریخی سیاق کے اختلاف کی وجہ سے تشبہ کے معانی میں بھی توسیع ہوتی گئی۔

حالیہ ادوار میں یورپی استعمار، قومیت کی تحریکوں اور مغربی ثقافت سے تصادم کے حوالے سے بھی یہ مسئلہ بار بار زیر بحث آیا۔ آج کل مسلم تشخص کی بحث میں ایک مرتبہ پھر کفار سے مشابہت کا حوالہ بہت اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ اب اسلامی تشخص کو مغربیت کے تناظر میں دیکھا جا رہا ہے اور مغربیت کو عیسائیت اور یہودیت کے پس منظر میں۔ اسی تناظر کی وجہ سے بعض مصنفین مبالغے کی حد تک تشبہ کے مفہوم کو وسعت دے رہے ہیں۔ تاہم چونکہ حدیث اور فقہ میں بنیادی طور پر تشبہ کے دینی اور ثقافتی پہلوؤں میں فرق موجود ہے اس لیے اس تمام تر مبالغے کے باوجود اس امتیاز کو نظر انداز کرنا مشکل ہے۔ اس مختصر مضمون میں ہم اس مسئلے کا تاریخی جائزہ پیش کر رہے ہیں جس سے یہ امتیاز نمایاں ہو جائے گا۔

کفار سے مشابہت کی گفتگو میں اکثر مصنفین کا بنیادی مأخذ سنن ابوداؤد کی مندرجہ ذیل روایت ہے: من تشبہ بقوم فھو منھم (2)۔ (جس نے کسی قوم سے مشابہت اختیار کی وہ انہی میں سے ہو گیا)

تمام فتاویٰ اور فقہی اور ثقافتی رسائل میں کفار سے مشابہت کی بحث کا آغاز اسی حدیث سے ہوتا ہے۔ تاہم ابوداؤدؒ کی اس روایت کے حوالے سے علماء نے بہت سے سوالات بھی اٹھائے ہیں۔ مثلاً تشبہ کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ کیا حدیث میں اس کی ممانعت کا حکم عام معنوں میں ہے؟ قوم سے کیا مراد ہے؟ عام معنوں میں تشبہ سے ممانعت کی نوعیت کیا ہے؟ یہی روایت امام ابوداؤد سے پہلے مسند امام احمد بن حنبلؒ میں آ چکی ہے۔ اس روایت سے ملا کر دیکھا جائے تو ان سوالات کا کافی حد تک جواب مل جاتا ہے۔ مسند ابن حنبل کی روایت سنن ابوداؤد کے مقابلے میں زیادہ مفصل ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سنن کی عبارت مسند کی روایت کا حصہ ہے۔ مسند میں یہ روایت اس طرح بیان ہوئی ہے:

بعثت بالسیف بین یدی الساعۃ حتی یعبد اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ، وجعل رزقی تحت ظل رمحی، و جعل الذلۃ والصغار علی من خالف امری، ومن تشبہ بقوم فھو منھم۔ (3)

(میں قیامت کے قریب تلوار کے ساتھ بھیجا گیا ہوں تاکہ صرف خدا کی عبادت ہو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ میرا رزق میرے نیزے کے سائے میں رکھا گیا ہے۔ جو لوگ میرے حکم کی مخالفت کریں گے ان کے لیے ذلت اور پستی لکھ دی گئی ہے اور جو کسی قوم سے مشابہت اختیار کرتا ہے وہ انہی میں شمار کیا جائے گا۔)

سنن ابوداؤد اور مسند احمد بن حنبل دونوں میں یہ الفاظ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہیں، اس سے بھی ہماری رائے کو تقویت ملتی ہے کہ دونوں ایک ہی روایت کا حصہ ہیں، جو مسند احمد میں تفصیل سے بیان ہوئی ہے اور سنن ابوداؤد میں اس کا صرف ایک جملہ روایت ہوا ہے۔ امام ابن حنبلؒ کی روایت سے واضح ہوتا ہے کہ مشابہت کا معیار نبی ﷺ کا حکم ہے۔ بالفاظ دیگر مشابہت کا دائرہ دینی امور پر محیط ہے، روزمرہ کی عادات و اطوار پر نہیں۔ زمانی طور پر امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) اور ان کی مسند ابوداؤد (م ۲۷۵ھ) اور ان کی سنن سے مقدم ہیں۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ یہ روایت مختلف الفاظ میں امام ترمذیؒ (م ۲۷۹ھ) اور علامہ طبرانیؒ (م ۲۶۸ھ) نے بھی روایت کی ہے لیکن امام بخاریؒ (م ۲۵۷ھ)، امام

سر سید احمد خان

مسلمؒ (م ۲۶۲ھ) اور امام مالکؒ (م ۱۷۹ھ) نے یہ الفاظ روایت نہیں کیے۔ سنن ابوداؤد میں موجود حدیث چونکہ جزوی طور پر روایت ہوئی ہے، اس لیے مشابہت کا مفہوم بہت وسیع ہو گیا ہے۔ امام نے خود بھی اس مفہوم کو وسعت دینے کے لئے اس حدیث کو "لبس الشھرۃ" کے عنوان کے تحت باب میں درج کیا ہے۔ اس باب میں درج دوسری احادیث میں عزت و شہرت کے لیے لباس پہننے اور لباس میں دوسرے لوگوں کی نقل کی ممانعت کا ذکر ہے۔ (4) اس طرح مشابہت کے مفہوم میں لباس و عادات میں مشابہت بھی شامل ہو گئی۔ یہاں اس وضاحت کی ضرورت نہیں کہ انسانی معاشروں میں عام طور پر لباس بھی پہچان کا ذریعہ ہوتا ہے، جس سے کسی علاقے اور معاشرے کی ثقافت میں کسی شخص کے مرتبے اور جنس کا پتہ چلتا ہے اور بعض اوقات لباس سے مذہبی وابستگی کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ اس کے برعکس احادیث کے دوسرے مجموعوں میں تشبہ کی ممانعت عمومی نظر نہیں آتی۔ جیسے جامع ترمذی کی مندرجہ ذیل روایت میں مشابہت کے دینی اور ثقافتی پہلو میں امتیاز پر روشنی پڑتی ہے:

"لیس منا من تشبہ بغیرنا، لاتشبھوا بالیھود والنصاریٰ، فان تسلیم الیھود بالاشارۃ بالاصابع وتسلیم النصاریٰ بالاشارۃ بالاکف۔(5)

(جو دوسروں سے مشابہت اختیار کرتا ہے وہ ہم میں سے نہیں۔ یہود اور نصاریٰ کی مشابہت اختیار نہ کرو۔ یہود انگلیوں کے اشارے سے سلام کرتے ہیں اور نصاریٰ ہاتھ کی ہتھیلی کے اشارے سے۔)

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ مدینہ منورہ میں یہود و نصاریٰ کے ہاں سلام کے طریقے سے بھی مذہبی شناخت ہوتی تھی۔ اس روایت سے مشابہت کی ممانعت کا مفہوم اور حکم دونوں واضح ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایسی مشابہت ممنوع ہے جو دوسرے ادیان کی دینی عادات اور رواج سے تعلق رکھتی ہو۔

امام ابوداؤدؒ اور امام ترمذیؒ کی مندرجہ بالا دونوں روایات کے بارے میں ماہرین حدیث میں اختلاف ہے۔ بارہویں صدی ہجری تک علما ان احادیث کو اسناد کے اعتبار سے کمزور سمجھتے تھے (6)۔ تاہم بعد میں محدثین اور فقہاء کی اکثریت نے تشبہ کے مسئلے پر انہی احادیث پر انحصار کیا ہے۔

یہاں جو بات قابل ذکر ہے، وہ یہ کہ اگرچہ احادیث کے الفاظ میں مشابہت کا ذکر دینی تشخص کے محدود مفہوم میں ہے، تاہم ان احادیث کی ترتیب اس طرح دی گئی ہے اور ان کو ایسے عنوان کے تحت درج کیا اور ایسے ابواب میں دوسری احادیث کے ساتھ شامل کیا گیا ہے کہ مشابہت کے مفہوم میں دینی تشخص کے ساتھ ثقافت اور رواجات بھی شامل ہو گئے۔ اس کی وجہ سے تاریخ کے مختلف ادوار میں جس اسلامی روایت کو فروغ ملا، اس میں تشبہ بالکفار کا مسئلہ عمومی مفہوم کے ساتھ سامنے آیا۔ اس مختصر مضمون میں اس مسئلے کی تاریخ تفصیل سے تو بیان نہیں کی جا سکتی، تاہم اختصار کے ساتھ چند اہم مفکرین کے حوالے سے اس پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

امام غزالیؒ (م ۵۰۵ھ)

چھٹی صدی ہجری میں جب اسلامی معاشرے میں یونانی، ایرانی اور دوسری ثقافتوں کے زیر اثر مختلف فرقوں کا ظہور ہوا اور کلامی بحثوں میں اسلامی شناخت اور کفر اور تکفیر کے مسائل اٹھے تو کفار سے مشابہت پر بھی بحث ہوئی۔ امام غزالیؒ نے اس مسئلہ کا تفصیلی تجزیہ ضروری سمجھا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ انہوں نے اس مسئلے کو دینی حیثیت سے نہیں، بلکہ معاشرتی اور ثقافتی سوال کے طور پر اٹھایا۔ اسی لئے انہوں نے اس مسئلے کو اپنی کتاب احیاء علوم الدین میں کتاب آداب الالفۃ والاخوۃ و الصحبۃ والمعاشرۃ مع اصناف الخلق (لوگوں کے مختلف گروہوں کے ساتھ محبت، اخوت، تعلقات اور معاشرے کے آداب) کے باب میں ذکر کیا اور اس کے نفسیاتی پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔ انہوں نے واضح کیا کہ انسان محبت اور انس کی بناء پر دوسرے کی مشابہت اختیار کرتا ہے اور نفرت اور حقارت کی بنیاد پر مشابہت سے گریز کرتا ہے۔ امام کے نزدیک یہ محبت اور نفرت دین کے حوالے سے ہے۔ نفرت کی وجہ کفر اور بدعت ہیں تو ایمان محبت کی۔ تاہم اگر حالت جنگ نہیں ہے تو عام میل جول میں کسی مسلمان کو کسی کافر کو نقصان پہنچانے کا کوئی حق نہیں۔ البتہ غیر مسلموں سے غیر ضروری میل ملاقات اور دوستی سے اجتناب کیا جائے۔ ان سے سلام میں پہل نہ کی جائے۔ اگر راستے میں مسلمان اور غیر مسلم کا آمنا سامنا ہو جائے تو غیر مسلم راستے کے کنارے پر چلے۔(7)

امام غزالیؒ، اس بحث میں امام مسلمؒ، امام بخاریؒ، ترمذیؒ اور ابو داؤدؒ کی

چھٹی صدی ہجری میں جب اسلامی معاشرے میں یونانی، ایرانی اور دوسری ثقافتوں کے زیر اثر مختلف فرقوں کا ظہور ہوا اور کلامی بحثوں میں اسلامی شناخت اور کفر اور تکفیر کے مسائل اٹھے تو کفار سے مشابہت پر بھی بحث ہوئی۔

روایت کردہ چار احادیث کا ذکر کرتے ہیں، جن میں کفار کو سلام کرنے، ان کا احترام کرنے اور ان سے ملاقات کی ممانعت کی گئی ہے۔ ان میں سے صرف ایک حدیث (ترمذی کی روایت) میں لفظ تشبہ کا ذکر ہے اور وہ بھی سلام کے اشارے کے حوالے سے (8)۔ ایک دوسری حدیث میں رسول اکرم ﷺ نے اپنی آمد پر لوگوں کو تعظیما کھڑے ہونے سے منع کیا کیونکہ اس میں عجم سے مشابہت پائی جاتی ہے۔(9)

ہمارے خیال میں یہود، نصاریٰ اور عجم کے طور طریقوں کی مشابہت سے ممانعت کی یہ احادیث اس دور سے تعلق رکھتی ہیں جب مدینہ میں اسلامی معاشرت کو غیر مسلموں کے ساتھ دینی اور ثقافتی تعلقات میں مختلف رویوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اس ضمن میں یہود مدینہ کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہود کے اہل کتاب ہونے کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ نے ابتداء ہی سے ان کے ساتھ احترام اور دوستی کا تعلق قائم رکھنا چاہا اور ان کی بعض دینی روایات میں مشابہت بھی اختیار کی اور ان کے ایسے رسوم و رواج کی مشابہت سے منع فرمایا، جو خالصتاً ان کا دینی

امتیاز تھے۔(10) البتہ جب یہود نے عناد کا راستہ اختیار کیا اور عام میل ملاقات میں بھی انتہائی نفرت اور دشمنی کا اظہار کیا تو نبی اکرم ﷺ نے بھی احتیاط کا راستہ اختیار کیا۔

امام غزالی لکھتے ہیں کہ احادیث میں اکثر ذکر آتا ہے کہ یہود نبی اکرم ﷺ سے ملتے تو بددعا کے الفاظ دہراتے۔ سام کے الفاظ سے سلام کہتے۔ اس کے باوجود نبی اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ ان کو بددعا سے جواب نہ دیں۔ جب یہود ایسے الفاظ کہیں تو صرف ''علیکم'' کہہ کر جواب دیں۔(11) بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ یہود کے گروہ نے رسول اللہ ﷺ کو السام علیک کہہ کر سلام کیا۔ حضرت عائشہؓ نے جواب میں کہا موت تم پر ہو اور تم پر لعنت۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ اللہ تعالیٰ ہر معاملے میں نرمی پسند کرتا ہے(12)۔ یہود کے اس رویے کا ذکر قرآن کریم میں بھی آیا ہے:

وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ. (المجادلہ:۸)

(اور جب تمہارے پاس آتے ہیں تو تمہیں اس طرح دعا نہیں دیتے جس طرح اللہ دعا دیتا ہے وہ اپنے دل میں کہتے ہیں کہ جو ہم کہہ رہے ہیں اس پر اللہ ہمیں سزا کیوں نہیں دیتا۔)

اس کے برعکس قرآن کریم نے عام اصول کے طور پر حکم دیا:

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا. اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا. (النسآء:۸۶)

(جب تم کو کوئی دعا دے تو اسے اس سے بہتر دعا دو۔ یا انہی الفاظ کو لوٹا دو۔ بے شک اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔)

امام ابن تیمیہؒ (م ۷۲۹ھ)

آٹھویں صدی ہجری میں اسلامی معاشرہ بہت بڑے سیاسی اور سماجی بحران سے گذر رہا تھا۔ ساتویں صدی میں منگولوں نے بغداد کی عباسی خلافت کا خاتمہ کر دیا تھا۔ آٹھویں صدی میں ایک جانب ترک اور مملوک مسلمان بادشاہ ایک دوسرے سے برسرپیکار تھے۔ دوسری جانب مسلم دنیا منگولوں کی تاخت و تاراج کا ہدف بنی ہوئی تھی۔ نصاریٰ طویل صلیبی جنگوں کا آغاز کر چکے تھے۔۔ امام ابن تیمیہؒ ایک طرف مسلمانوں کو دشمنوں کے خلاف جہاد کی دعوت دے رہے تھے اور دوسری جانب معاشرے میں موجود تقلیدی رویوں کی خرابیوں کی اصلاح کا بیڑا اٹھائے ہوئے تھے۔ اپنے افکار کی وجہ سے وہ مملوک سلاطین کے زیر عتاب بھی تھے اور شدید آزمائشوں اور ابتلا سے گذر رہے تھے۔ اس شدید سیاسی اور ثقافتی کشمکش کے دور میں اسلامی شناخت کا مسئلہ بے حد پیچیدہ ہو گیا تھا۔

ابن تیمیہ کو مسلمان معاشرے سے شدید شکایت تھی کہ غیر مسلموں سے مشابہت کے بارے میں مسلمانوں کا رویہ بہت نرم پڑتا جا رہا تھا۔ انہوں نے اس مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر اس کی طرف خصوصی توجہ دی۔ احادیث میں مسلمان معاشروں کے بارے میں پیش گوئی کی گئی ہے کہ مسلمان یہود کے نقش قدم پر چلنے لگیں گے اور تفرقے میں پڑ جائیں گے(13) امام ابن تیمیہ اس پیشین گوئی کو سورۃ الفاتحہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں جس میں بنی نوع انسان کے تین گروہ بیان ہوئے ہیں۔(۱) اول وہ جو صراط مستقیم اور سیدھے راستے پر چلتے ہیں (۲) دوسرے وہ جن پر اللہ کا غضب نازل ہوا۔ (۳) تیسرے وہ جو سیدھے راستے سے بھٹک گئے۔ امام ابن تیمیہ کے نزدیک پہلے گروہ سے مراد مسلمان ہیں، دوسرے یہود اور تیسرے نصاریٰ ہیں(14)۔ ابن تیمیہ کے نزدیک یہود و نصاریٰ دونوں صراط مستقیم سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ وہ مسلمانوں میں گروہ بندی اور تفرقے کو یہود و نصاریٰ کی مشابہت کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔ انہوں نے اپنے کئی رسائل میں تشبہ کے مسئلے پر بحث کی ہے لیکن ان کا رسالہ اقتضاء الصراط المستقیم مخالفۃ اصحاب الجحیم خاص طور پر اس استدلال پر مبنی ہے۔ کہ سیدھا راستہ اہل دوزخ کی مخالفت سے ہی مل سکتا ہے۔ امام ابن تیمیہ کے نزدیک مشابہت کی ممانعت کا مطلب صرف کفار کی نقل کی ممانعت ہی نہیں بلکہ ان کی مخالفت بھی اس ممانعت میں شامل ہے۔

امام غزالیؒ کی طرح امام ابن تیمیہؒ بھی تشبہ کے مسائل میں دینی اور ثقافتی شناخت میں امتیاز کے قائل ہیں۔ امام کے نزدیک مشابہت محض ان افعال کا نام نہیں جو کسی دوسرے کی نقل میں کیے جائیں، مشابہت کی ممانعت میں وہ اغراض و مقاصد بھی شامل ہیں جن میں دوسروں کی متابعت کی جائے۔ وہ لکھتے ہیں کہ التشبہ یعم من فعل الشیئی لاجل انھم فعلوہ وھو نادر و من تبع غیرہ فی فعل لغرض لہ فی ذلک اذا کان اصل الفعل ماخوذا من ذلک الغیر (15). (تشبہ کے معنی میں یہ بات بھی شامل ہے کہ کوئی نادر کام اس لیے کیا جائے کہ وہ (کفار) کرتے ہیں اور یہ بھی کہ کوئی دوسرے کی پیروی میں کوئی کام کرے اور اسی مقصد کے لیے کرے جو غیر کا مقصد ہو اور جب کہ اس فعل کی اصل بھی اس غیر سے ماخوذ ہو۔)

آسان لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ تشبہ کے دو مفہوم ہیں ایک محض نقل اور دوسرے اغراض و مقاصد میں پیروی۔ اگرچہ دونوں کفار سے مشابہت کے زمرے میں آتے ہیں لیکن دوسرا مفہوم زیادہ قابل مذمت ہے۔ اور

اسی مفہوم کی بنیاد پر مشابہت کی ممانعت کا تقاضا ہے کہ کفار کی مخالفت کی جائے۔ امام متعدد قرآنی آیات اور احادیث کا حوالہ بھی دیتے ہیں، جن میں کفار خصوصاً یہود و نصاریٰ سے مشابہت کو منع کیا گیا ہے۔(16) ان کا کہنا ہے کہ قرآن کریم اور احادیث میں صرف کفار کے افعال کی نقل سے منع نہیں کیا گیا بلکہ ان کی مخالفت کا بھی حکم دیا گیا ہے کہ کفار کے افعال اور رواجوں کے الٹ کام کرو۔ مثلاً یہود بیت المقدس کو قبلہ مانتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے (اللہ کے حکم سے) اس کو بدل کے بیت اللہ کو قبلہ قرار دیا۔ نماز کے اوقات یہود اور نصاریٰ کے برعکس متعین کیے۔ خضاب، داڑھی اور حجامت میں زمانۂ جاہلیت اور یہود کے رواج کی مخالفت کی۔(17)

امام ابن تیمیہ کے نزدیک تشبہ کی ممانعت کا ماخذ سنت نبویہ کے علاوہ صدر اسلام میں غیر مسلموں سے کیے گئے معاہدات بھی ہیں۔ امام کے بقول ان دستاویزات سے پتہ چلتا ہے کہ غیر مسلموں نے یہ معاہدہ کیا تھا کہ وہ فاتح مسلمانوں کے احترام میں لباس، ٹوپی یا عمامہ اور بالوں کا ایسا انداز اختیار نہیں کریں گے جو مسلمانوں کا شعار ہے اور وہ جوتے نہیں پہنیں گے، جو مسلمان پہنتے ہیں۔(18)

بظاہر امام ابن تیمیہ کا استدلال بہت پیچیدہ لگتا ہے۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے استدلال کی بنیاد صدر اسلام کی تاریخ ہے جس میں تشبہ کی ممانعت کا سیاق و سباق دینی ہونے کے ساتھ ساتھ سیاسی بھی تھا۔ ان افعال اور رواجات کا ثقافتی پہلو بھی اس سیاق سے علیحدہ نہیں۔ تاہم ان کے استدلال کا دارومدار دینی اصول ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ کفار کی نقالی اور مشابہت ان سے محبت اور انس کا سبب بنتی ہے۔ جو کفر اور گناہ کے اعمال سے نفرت کو کم کرتی ہے اور بالآخر مسلمان کو کفر تک لے جاتی ہے۔(19) یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ابن تیمیہ نبوت کے طور پر ان یہود و نصاریٰ کی مثال دیتے ہیں، جو مسلمان معاشروں میں رہائش پذیر ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ان لوگوں میں مسلمانوں کے خلاف عناد کم ہو جاتا ہے، اس کے برعکس وہ کفار جو مسلمان علاقوں سے باہر رہتے ہیں ان میں یہ عناد اور دشمنی کہیں زیادہ ہوتی ہے۔(20) ظاہر ہے امام ابن تیمیہ یہ مثال اس لیے نہیں دے رہے کہ مسلمانوں کے خلاف وہ عناد کی کمی کو برا گردانتے ہیں اور نہ ہی اس لیے کہ وہ بین المذاہب عناد اور دشمنی کو ضروری سمجھتے ہیں۔ وہ یہاں صرف یہ حقیقت حال بیان کر رہے ہیں کہ معاشرتی میل جول سے لوگوں میں نفرت کم ہو جاتی ہے۔ دین اور ثقافت کے مابین روابط گہرے ہونے کی وجہ سے یہ دونوں پہلو ایک دوسرے پر اثر انداز بھی ہوتے ہیں۔ لیکن معاشرتی میل جول بجائے خود منع نہیں۔

اگر وہ دینی اقدار سے دوری کا سبب بنیں تو منع ہیں۔ چنانچہ جیسا کہ پہلے ذکر ہوا کسی فعل کی محض نقل جس میں نیت شامل نہ ہو اس مشابہت کے زمرے میں نہیں آتی جس سے منع کیا گیا ہے۔ اس لیے ہر لمحہ ضروری ہے کہ دین اور ثقافت کے مابین تفاوت کی مسلسل تعریف اور نشاندہی ہوتی رہے اور ان کی سرحدوں کو باہم گڈمڈ نہ ہونے دیا جائے۔

اس تفاوت اور امتیاز کی اہمیت کو وہ ایک مثال سے واضح کرتے ہیں۔ مسلمانوں کے لیے غیر مسلموں کا کھانا اور لباس اسی وقت منع ہے، جب وہ ان کی مذہبی رسوم سے مخصوص ہو۔ ان کا ہر کھانا اور ہر لباس منع

امریکہ میں عید میلاد النبیؐ کا ایک منظر

نہیں۔(21) غیر مسلموں کے تہواروں میں شرکت کی ممانعت بھی اس صورت میں ہے کہ وہ واضح طور پر ان کی مذہبی رسم ہو کیونکہ اس طرح اسلام میں بدعات کا دروازہ کھلتا ہے۔(22) اس ساری بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کفار سے مشابہت، صرف مذہبی امور میں منع ہے ہر مشابہت منع نہیں۔ یعنی ایسے افعال کی نقل کرنا منع ہے جسے غیر مسلم مذہب اور عبادت کے طور پر کرتے ہیں۔ اسی طرح مذہبی غرض اور مقصد سے غیر مسلموں کے افعال کی نقل کرنا بھی شدت سے منع ہے۔

امام ابن تیمیہؒ کے ہاں مشابہت کے حوالے سے دین اور ثقافت میں فرق کرنا ضروری ہے اور دین کو وسیع مفہوم میں لینے کی بجائے اس کی تحدید ضروری ہے تاکہ دینی تشخص اور ثقافتی تشخص میں فرق کیا جا سکے۔ اس حوالے سے تشبہ کا مسئلہ بہت حد تک بدعت کے تصور اور ممانعت کے قریب ہے یعنی ہر نئی بات بدعت نہیں بلکہ بدعت وہ عمل ہے، جسے دین کا درجہ دے کر اپنایا جائے۔ انیسویں صدی میں احیاء و تجدید کی تحریکوں نے بدعات کے خلاف آواز اٹھائی، تو خاص طور پر ان رسوم کا ذکر آیا جو غیر مسلم معاشروں کے زیر اثر مسلمانوں میں رواج پا گئے تھے۔ چنانچہ تشبہ اور

بدعت بیک وقت زیر بحث آنے سے اکثر انہیں ہم معنی سمجھ لیا گیا۔ تاہم فقہاء نے دین اور ثقافت میں فرق کی ضرورت پر زور دیا۔ اٹھارہویں اور انیسویں صدی کی احیا اور اصلاح کی تحریکوں نے امام ابن تیمیہؒ کے افکار کو بنیادی حوالہ بنایا لیکن امام نے دینی اور ثقافتی شناخت میں امتیاز کے جس اصول پر زور دیا تھا وہ اکثر اوقات نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

علامہ شمس الحق عظیم آبادیؒ (م ۱۲۸۴ھ)

علامہ شمس الحق عظیم آبادیؒ نے سنن ابوداؤد کی شرح میں محولہ بالا حدیث پر بحث کرتے ہوئے تشبہ کے مسئلے پر ابن تیمیہ کی مباحث کا جائزہ لیا۔ ان کا کہنا ہے کہ ابن تیمیہ نے تشبہ کو کلی اور وسیع مفہوم میں لیا ہے کیونکہ تشبہ

> امام ابن تیمیہؒ کے ہاں مشابہت کے حوالے سے دین اور ثقافت میں فرق کرنا ضروری ہے اور دین کو وسیع مفہوم میں لینے کی بجائے اس کی تحدید ضروری ہے تاکہ دینی تشخص اور ثقافتی تشخص میں فرق کیا جا سکے۔

دراصل تعلق اور وابستگی کا اظہار ہے۔ اگر کوئی شخص صالحین کی نقل کرتا ہے تو وہ صالحین میں شمار ہونا چاہتا ہے اور اگر فساق اور کفار کی نقل کرتا ہے تو ان میں شمار ہوگا۔(23) علامہ عظیم آبادی، ابن تیمیہ کی اس بات سے متفق نہیں کہ اس بارے میں نیت کا اعتبار ہوگا۔ وہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا ایک اثر نقل کرتے ہیں کہ اگر ایک مسلمان جو مشرکین کے علاقے میں سکونت اختیار کر لے، ان کے تہوار منائے اور اسی حالت میں فوت ہو جائے تو قیامت کے روز انہیں میں شمار ہوگا۔ اگرچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا یہ بیان ایک ایسے تاریخی سیاق وسباق سے تعلق رکھتا ہے جب ہر مسلمان کے لئے مسلم علاقے میں ہجرت لازمی تھی اور مشرکین کے علاقے میں رہنے پر اصرار سے اس کے امت مسلمہ سے تعلقات کی قانونی حیثیت بدل جاتی تھی تاہم علامہ عظیم آبادی اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ کفار کی نقل ہر حال میں منع ہے، خواہ تشبہ میں کفار سے وابستگی کی نیت ہو یا نہ ہو۔(24) وہ اپنے موقف کی تائید میں کئی احادیث نقل کرتے ہیں۔

علامہ عظیم آبادی تشبہ کے مذہبی، سیاسی اور ثقافتی پہلوؤں میں فرق نہیں کرتے۔ اس ضمن میں وہ قرآن کریم میں کفار کے ساتھ ولا (ولایت، قرابت، دوستی) کی ممانعت کا ذکر کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں سورۃ نساء: ۱۳۹، سورۃ المائدہ:۵۱ اور سورۃ توبہ:۲۳ میں کفار کو اولیاء (قرابت) بنانے سے منع کیا گیا ہے۔ برصغیر میں اس ممانعت کا اکثر ترک موالات کے نام سے ذکر کیا گیا اور انیسویں اور بیسویں صدی میں اسے استعمار کے خلاف مزاحمت کے جواز میں اہم استدلال بنایا۔ امام ابن تیمیہ نے بھی ولا (قرابت) کے مسئلے پر تفصیلی بحث کی ہے، تاہم امام کے ہاں اس کی نوعیت خالصتاً سیاسی ہے۔ ان کے نزدیک اگر نیت دینی قربت کی ہو تو منع ہے، اسی لیے تشبہ کی بحث میں اس کا ذکر نہیں کرتے۔

سید احمد خان (م ۱۳۱۶ھ)

سید احمد خان (بانی علی گڑھ کالج) کفار سے مشابہت کی کلی ممانعت کے قائل نہیں تھے بلکہ ایسی ممانعت کو ترقی کی راہ میں بڑی رکاوٹ سمجھتے تھے۔ علماء کفار سے مشابہت کو بہت عام معنوں میں لیتے تھے حتیٰ کہ چھری، کانٹے اور میز پر بیٹھ کر کھانے کو بھی کفار سے مشابہت قرار دے کر حرام سمجھتے تھے۔ ۱۸۶۷ء میں سید احمد خان نے کچھ انگریزوں کے ساتھ ایک ہی میز پر کھانا کھایا تو اس پر پورے ملک میں بہت احتجاج ہوا۔ سید احمد خان نے اپنے دفاع میں ایک مضمون لکھا(25) جس میں یہ استدلال پیش کیا کہ اہل کتاب کا طعام حلال ہے۔ اس مضمون میں انہوں نے مسئلہ تشبہ اور اس کے ثبوت میں پیش کردہ حدیث من تشبہ بقوم فھو منھم کی اسناد پر بھی جرح کی۔ ان کے نزدیک ماہرین حدیث کے بیان کردہ جرح وتعدیل کے اصولوں کے مطابق یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس کی اسناد میں دو راوی ایسے تھے، جن کی آپس میں ملاقات ثابت نہیں۔ دوسرے سید احمد خان کے نزدیک یہ حدیث بیانیہ ہے اور اس کی بنیاد پر حکم جاری نہیں کیا جا سکتا۔ تیسرے اس میں لفظ قوم استعمال ہوا ہے جو بہت عام ہے۔ اسے کسی مذہبی گروہ یا کفار سے مخصوص نہیں کیا جا سکتا۔ چوتھے یہ کہ ایسی ممانعت سنت رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ سے شامی حلّہ کا استعمال ثابت ہے، جو عیسائیوں کا لباس تھا۔ پانچویں یہ کہ رسول اللہ اور صحابہ کرام عام عربوں کا لباس پہنتے تھے جو سارے مسلمان نہیں تھے۔

اس وضاحت کی ضرورت نہیں کہ سید احمد خاں کے دور میں کفار سے مشابہت کی بحث کا سیاق وسباق خالص سیاسی تھا۔ یہ استعمار کا دور تھا جب مسلمان انگریزوں کی ہر بات سے متنفر تھے اور مغرب کے خلاف مذہبی شناخت کا مسئلہ بنیادی اہمیت اختیار کر گیا تھا۔ انگریزوں کے خلاف مزاحمت کے لیے بدعت اور تشبہ کے نظریات سب سے زیادہ مؤثر تھے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس دور میں حرمت ونجاست کے نظریات بھی جن

میں مقامی چھوت چھات کے تصورات بھی شامل ہو گئے تھے، اور جو پہلے صرف ہندوؤں کے خلاف استعمال ہوتے تھے اب انگریزوں کی مخالفت کے لئے کام آنے لگے۔ غیر مسلموں کے ساتھ میل جول، ان سے ہاتھ ملانا، ان کے ساتھ کھانا کھانا سب نجاست کے زمرے میں آ گئے۔ اس کا سیاسی فائدہ ضرور ہوا لیکن سیاسی امور کو دینی حیثیت دینے سے مسلمانوں کی روزمرہ زندگی محدود ہوتی گئی۔

کفار سے مشابہت کے منفی پہلو کا ذکر تونس کے دانشور خیر الدین پاشا نے اپنی کتاب اقوم المسالك میں بھی کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ آئینی طرز حکومت مسلم ممالک کی بنیادی ضرورت ہے اور اسلام بھی اس کی تائید کرتا ہے لیکن قدامت پسندوں نے کفار سے مشابہت کا عمومی اطلاق کر کے اس کی بھی مخالفت کی اس کا سب سے زیادہ فائدہ بادشاہوں اور استبدادی قوتوں کو ہوا۔ سید احمد خاں نے ۱۸۷۵ء میں اس کتاب کے اقتباسات شائع کرتے ہوئے برصغیر کے مسلمانوں کی توجہ کفار سے مشابہت کے عمومی اطلاق اور خصوصاً اس کے سیاسی منفی پہلوؤں کی طرف دلائی۔ (26) برصغیر کے علما سید احمد خان کی انگریز دوستی کو اسلامی شناخت کے لئے خطرہ سمجھتے تھے۔ قاری محمد طیب کی کتاب التشبہ فی الاسلام سید احمد خاں کے افکار کی تردید میں لکھی گئی۔

قاری محمد طیبؒ (م ۱۴۰۴ھ)

قاری محمد طیبؒ کا تعلق دارالعلوم دیوبند کے بانی گھرانے اور دیوبندی مسلک کے شارحین سے ہے۔ دیوبندی مسلک اپنی دو نمایاں خصوصیات کی بنا پر معروف ہے: بدعات کی اصلاح اور برطانوی استعمار کے خلاف مزاحمت۔ استعمار کے خلاف جدوجہد میں دیوبند کے اکثر علماء نے انڈین نیشنل کانگریس میں شمولیت اختیار کی اور ہندو مسلم اتحاد کی حمایت کی۔ اس طرح کفار سے مشابہت کے ایک پہلو یعنی غیر مسلموں سے دوستی اور تعاون کے مسئلے پر اس روایتی موقف کی جزوی مخالفت کی جو کسی بھی غیر مسلم سے (ہر طرح کی) دوستی کو کفار سے مشابہت کے تحت ممنوع قرار دیتا تھا۔ قاری طیب صاحب نے یہ تفصیلی کتابچہ ۱۹۲۹ء میں اس وقت لکھا جب وہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم تھے۔ کتاب کے دو مقصد تھے، ایک تو استعماری دور میں تشبہ کے مسائل کا تفصیلی تجزیہ اور دوسرے سید احمد خاں اور دوسرے ایسے مسلمان رہنماؤں کے افکار کی تردید جو کفار سے مشابہت کی ممانعت کو ترقی کی راہ میں رکاوٹ سمجھتے تھے۔

قاری محمد طیب صاحب نے تشبہ کو وسیع ترین مفہوم میں لیا۔ تشبہ کے عمومی تصور اور اس کے اصول بیان کیے اور اس مسئلے سے پیدا ہونے والے خصوصی اور فروعی مسائل سے بحث کی۔ اس بحث میں شاہ ولی اللہؒ (م ۱۱۷۶ھ) اور مولانا قاسم نانوتویؒ (م ۱۲۹۷ھ) کی آراء بھی پیش کیں اور ابن تیمیہؒ کی بھی۔ تشبہ کی اصولی بحثوں کے تحت قاری صاحب نے اس کی عملی صورتوں پر گفتگو کی ہے جن میں ''لباس'' کا مسئلہ نمایاں ہے۔ انیسویں صدی میں برصغیر میں انگریزی لباس کے بارے میں بہت بحث چلی تھی۔ سید احمد خان اور ان کے ساتھی انگریزی لباس کے حامی تھے اور علماء اور قدامت پسند طبقے اسے انگریزوں کی نقالی سمجھتے تھے اور انگریزی

علی گڑھ کی تاریخی مسلم یونیورسٹی

لباس پہننے والوں کو کرسٹان کہتے تھے۔ قاری صاحب نے ایک سو سے زیادہ صفحات میں سید احمد خان کے رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' میں شائع ہونے والے مضامین کی تفصیلی تردید کی ہے۔ (27)

قاری صاحب نے ''من تشبہ بقوم'' حدیث پر سید احمد خان کی تنقید کے جواب میں بتایا کہ امام احمد بن حنبلؒ اور ابن تیمیہؒ کے نزدیک اس حدیث کی اسناد میں کوئی کمزوری نہیں اور اس کا کوئی راوی ضعیف نہیں۔ قاری صاحب کی نظر میں حدیث کا مفہوم عام ہے اور تشبہ کی ممانعت تمام کفریہ افعال کے لیے ہے۔ اس کی وضاحت میں انہوں نے حضرت عمرؓ کا حکم نقل کیا ہے کہ پانی سے غسل کرنا منع ہے کیونکہ عربوں کی عادت پسینے سے نہانے کی تھی۔ (28) چنانچہ یہ حدیث مشابہت کی مطلق ممانعت کا حکم دیتی ہے، جس میں کفار کی دوستی اور ان سے مدد طلب کرنا بھی شامل ہے۔

عمومی اصولوں کی وضاحت کرتے ہوئے قاری طیب صاحب مشابہت اور تشخص کے تصورات کا تجزیہ بھی پیش کرتے ہیں۔ ان کا بنیادی استدلال یہ ہے کہ اسلام نے قبل از اسلام قوانین اور شرائع کو منسوخ کر دیا تھا اور تشبہ کی ممانعت دراصل اسی تنسیخ کی حفاظت کے لئے تھی کہ مشابہت کے بہانے یہ منسوخ شدہ قوانین اور روایات دوبارہ زندہ نہ ہو جائیں۔

ان میں یہود و نصاریٰ کی شرائع بھی شامل ہیں جنہیں اسلامی شریعت نے منسوخ کر دیا تھا۔ قاری طیب صاحب کے نزدیک اس کا سبب یہ تھا کہ اب ''وہ دنیا کے روحانی مزاج کے موافق نہیں رہے تھے''(29)۔ قاری صاحب یہ وضاحت ضرور کرتے ہیں کہ اسلامی شریعت نے ماقبل شرائع کو کلی طور پر منسوخ نہیں کیا بلکہ ان میں سے مفید اور اچھے قوانین کو باقی رہنے دیا۔

قاری طیب صاحب کے نزدیک تشبہ سے تشخص میں ابہام پیدا ہوتا ہے۔ اس ضمن میں وہ قومی تشخص کے تصور کا تجزیہ کرتے ہیں۔ قوم کی تعریف میں وہ مذہبی اور دوسرے پہلوؤں میں فرق نہیں کرتے ان کا کہنا ہے کہ ''قومیت یا قوم اس انسانی مجموعہ کا نام ہے جو کسی خاص ملت، خاص مشرب یا خاص سبیل و صراط کا پابند ہو اور اس مشرب و ملت کی خصوصیات نے اس مجموعہ کو دوسرے انسانی مجموعوں سے الگ اور ممتاز کر دیا ہو''۔(30) اس تعریف کے ساتھ وہ قوموں کی مثال کے لیے مذاہب کا ذکر کرتے ہیں۔ جیسے نصاریٰ، یہود، مشرک اور مسلمان سب اپنے عقائد و اعمال کی بنیاد پر ایک دوسرے سے ممتاز ہیں۔ تشبہ بالغیر (دوسروں سے مشابہت) سے یہ امتیاز مٹ جاتا ہے۔ اس بات کو وہ منطقی استدلال سے بھی ثابت کرتے ہیں کہ منطق میں تعریف (حد) کی بنیاد بھی امتیاز اور فصل (فرق) پر ہے۔ مختلف اقوام اور امتیں انہی خصوصیات سے پہچانی جاتی ہیں، جن میں ان کی اخلاقی قدریں، عادات اور ثقافت شامل ہیں۔ اسی بنیاد پر یورپی اقوام دوسری اقوام سے الگ ہیں۔(31)

شرعی ممانعت کے نقطہ نظر سے قاری صاحب کا کہنا ہے کہ اضطراری اور طبعی عادات جن میں کھانا پینا وغیرہ شامل ہیں، ان میں انسان کا کوئی اختیار نہیں، اس لئے ان میں مشابہت کی ممانعت نہیں۔ جن افعال اور اعمال پر مشابہت کی ممانعت کا اطلاق ہوتا ہے وہ دو طرح کے ہیں ایک تعبدی افعال ہیں، جن کا تعلق عبادات سے ہے۔ دوسرے تعودی ہیں جو عادات سے تعلق رکھتے ہیں۔ پہلی قسم کے اعمال کی مثال صلیب لٹکانا اور دوسری قسم کے اعمال کی مثال غیر مذہبی رسوم و عادات۔ پہلی قسم کے اعمال میں تشبہ حرام ہے۔ دوسری قسم یعنی غیر مذہبی افعال میں تشبہ حرام نہیں۔ اس گفتگو میں قاری صاحبؒ نے تشبہ کے آٹھ فقہی مراتب بیان کیے ہیں۔

۱- اضطراری امور	۲- طبعی امور
۳- تعبدی امور	۴- قبیح بالذات امور
۵- شعار اقوام	۶- ذی بدل اشیاء
۷- منوی التشبہ امور	۸- سدذرائع اور احتیاط(32)

قاری طیب صاحب اس بحث کا نتیجہ یوں بیان کرتے ہیں کہ کفار سے مشابہت کا اصل مقصد امت مسلمہ کو فکری انتشار اور تباہی سے بچانا ہے اور ان کو غیر مسلموں سے ممیز کرنا ہے، تاہم فطری ضروریات کے ضمن میں حرج یا تنگی پیدا کرنا اس ممانعت کا مقصود نہیں۔ چنانچہ فطری حدود کا لحاظ کرتے ہوئے عورتوں کو مردوں کی مشابہت سے، معصوموں کو خدا کی شبیہ سے اور غلاموں کو آزاد لوگوں کی نقل سے منع کیا گیا ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی کی ایک نادر شبیہ

قاری طیب صاحب کے ہاں تشبہ کے مفہوم میں وسعت اس وقت کے سیاسی تناظر سے آئی اور اس کی بڑی وجہ دیوبند اور علی گڑھ کے طرز ہائے فکر کا اختلاف تھا۔ اگرچہ قاری صاحب تشخص کے دینی اور دوسرے پہلوؤں میں فرق کے قائل ہیں لیکن مخصوص سیاسی پس منظر کی وجہ سے اس پر زور نہیں دیتے اور مشابہت کے وسیع مفہوم پر اصرار کرتے ہیں۔ قاری صاحب کی کتاب کا موازنہ اس عہد کے فتاویٰ خصوصاً دیوبند مسلک کے فتاویٰ سے کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ سیاسی مصالح کے باوجود مفتی حضرات دینی اور سیاسی مفاہیم میں امتیاز کی فقہی بنیادوں سے انکار نہیں کرتے۔

شاہ عبدالعزیزؒ (م ۱۲۳۹ھ) نے فتاویٰ عزیزی میں غیر مسلموں کے رسوم و رواج اور تہواروں کی نقل اور مشابہت کے بارے میں مختلف سوالات کے جواب میں ایک قاعدے کے طور پر بیان کیا کہ ایسے رواج اور عادات جو کفار سے مخصوص ہوں ان کا اپنانا منع ہے۔ ایسی عادات جو کفار میں عام تو ہوں لیکن ان سے مخصوص نہ ہوں ان کی نقل منع نہیں۔ اسی طرح اگر مسلمان غیروں کی عادات و رواج کو سہولت اور فائدے کی غرض سے اختیار کریں لیکن کفار کی نقل مقصود نہ ہو تو وہ بھی ممنوع نہیں۔(33) شاہ صاحب نے غیر مسلموں کے مذہبی تہواروں کی اور ایسے لباس کی جو غیر مسلموں کا مذہبی شعار ہوں، مشابہت سے منع فرمایا۔

مولانا عبدالحیٔ لکھنویؒ (م۱۳۰۵ھ) سے تشبہ کے بارے میں بہت سے فتاویٰ طلب کیے گئے۔ سوالات ہنود و نصاریٰ کے بارے میں بھی تھے اور مسلمانوں کے درمیان مختلف فرقوں کے بارے میں بھی۔ ان سوالات میں تشبہ کا مسئلہ اکثر بدعت سے جڑا ہوا تھا۔ مثلاً انگریزی زبان اور جدید آلات ایجاد کرنے والوں کے مسائل بدعت اور تشبہ والوں والے کیے گئے۔ مولانا کا کہنا تھا کہ زبان اور آلات تشبہ کے دائرے میں نہیں آتے۔ ان پر تشبہ کی ممانعت کا اطلاق اسی وقت ہوگا جب نیت دین میں تشبہ کی ہو۔ کسی امر مذموم میں نصاریٰ کے ساتھ قصداً تشبہ کیا جائے تو ناجائز ہوگا ورنہ نہیں۔(34)

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (م۱۳۲۳ھ) کے فتاویٰ میں بھی بدعت اور تشبہ کے مسائل ساتھ ساتھ مذکور ہیں۔ مولانا گنگوہی نے بھی مذہبی اور ثقافتی مشابہت میں فرق کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ صلیب نصاریٰ کا شعار ہے لیکن انگریزی لباس، ہیٹ وغیرہ ان کا مذہبی شعار نہیں کیونکہ ان ممالک میں مسلمان یہی لباس پہنتے ہیں۔ البتہ ہندوستان میں ایسا نہیں ہے اس لیے اس میں تشبہ پایا جاتا ہے۔(35) تاہم انہوں نے دوسرے فتاویٰ میں وضاحت کی کہ جب کوئی لباس یا عادت دوسروں میں بھی عام ہو جائے تو وہ تشبہ ممنوع نہیں رہتا۔ مثلاً مولانا عبدالحیٔ لکھنوی مسلمانوں کو کھڑاؤں پہننے سے منع کرتے تھے کیونکہ ہندو جوگی پہنتے تھے۔ مولانا گنگوہی نے وضاحت کی کہ ''کھڑاؤں چوبیں کا پہننا بدعت نہیں..... البتہ بسبب مشابہت یوگیہ کے کسی وقت منع لکھا تھا مگر اب یہ کہ کافر و مسلم میں شائع ہوگئی ہے ممنوع نہیں رہی۔''(36)

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ (م۱۳۲۳ھ) نے مولانا گنگوہی کی تائید کرتے ہوئے برصغیر کے مسلمانوں کے لیے انگریزی لباس کو منع فرمایا کہ اس میں غیر مسلموں سے مشابہت موجود ہے۔(37)

مفتی کفایت اللہؒ (م۱۳۷۲ھ) کے فتاویٰ میں تشبہ کے مسائل میں نصاریٰ کے ساتھ ہندوؤں سے مشابہت کے بارے میں سوالات میں اضافہ نظر آتا ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس زمانے میں ہندو مسلم تشخص کا سوال بہت شدت سے ابھر رہا تھا۔ مفتی کفایت اللہؒ کا تعلق جمعیت العلمائے ہند سے تھا جو ہندوستان کی آزادی کی تحریک میں کانگریس سے اشتراک کر رہی تھی۔ کسی نے پوچھا کہ اگر کوئی مسلمان قشقہ اور چندن لگائے تو کیا یہ ہندوؤں سے مشابہت کی وجہ سے منع ہوگا۔ مفتی صاحب نے جواب دیا کہ مسلمانوں کو اس سے احتراز لازم ہے کیونکہ یہ اہل ہنود کا خاص قومی اور مذہبی شعار ہے۔ لیکن اس پر ارتداد کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔(38) مفتی صاحب سے اکثر موالات کے بارے میں بھی پوچھا گیا کہ ہندوؤں سے دوستی اور میل جول کا کیا حکم ہے۔ کیا ان کا کھانا اور مذہبی تہواروں میں شرکت حرام ہے۔ مفتی صاحب نے واضح کیا کہ قرآن کریم نے کفار سے میل جول، معاملات اور تجارت وغیرہ کو مطلقاً حرام نہیں بتایا۔(39) بلاضرورت ایسے میل جول سے منع کیا جس سے دین کو نقصان کا اندیشہ ہو۔(40) مفتی صاحب ہندوؤں کے ساتھ سماجی اور سیاسی تعاون کے قائل تھے۔ تجارت، زراعت وغیرہ میں شراکت عمل کو جائز سمجھتے تھے لیکن مشرکانہ رسوم پر مبنی اجتماعات اور ایسے اجتماعات میں جہاں اسلامی احکام کا مذاق اڑایا جاتا ہو شرکت سے منع کرتے تھے۔(42) مسلمانوں کے نزدیک غیر مسلم نجس اور ناپاک نہیں لیکن ہندو مسلمانوں کو ناپاک سمجھتے ہیں اور کسی چیز کو مسلمان کا ہاتھ لگ جائے تو اسے بھی ناپاک سمجھتے ہیں۔ اس صورت حال میں مسلمان بھی قومی غیرت سے کام لیں۔ (41) مفتی صاحب کا یہ فتویٰ بعض مخصوص سماجی رویوں کا عکاس ضرور ہے لیکن یہاں بھی وہ چاہنے کے باوجود دینی اور سماجی تشخص کے فقہی امتیاز کے اصول کی مخالفت نہیں کر پائے۔

پاکستانی مسلم عمائدین، ایک ہندو تہوار میں شریک ہیں

۱۹۳۶ء میں کراچی میں ایک جلسے میں ایک مسلمان مقرر نے اسلام میں انسانی مساوات کا ذکر کرتے ہوئے یہ کہا کہ مسلمان کے لیے کسی اچھوت کا جوٹھا کھانا اور پانی پینا منع نہیں ہے۔ سٹیج پر بیٹھے ایک مسلمان لیڈر نے اسی وقت ایک ہندو لیڈر کا جوٹھا پانی پی کر اس کا ثبوت دیا تو اس پر اخبارات میں دوسرے دن بہت احتجاج ہوا۔ دہلی کے ایک مسلمان تاجر نے اس پورے واقعے کو مسلمانوں کی تذلیل قرار دیا کہ جو لوگ حرام اور مردار کھاتے ہیں ان کا جوٹھا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ مفتی کفایت اللہ صاحب نے اپنے فتویٰ میں تفصیل سے واضح کیا کہ کافر و مسلم سب کا جوٹھا پاک ہے اور جب تک ناپاکی کی آمیزش کا یقین نہ ہو اس وقت تک ناپاکی کا حکم دینا درست نہیں۔(43)

دارالعلوم دیوبند کا ایک منظر

مفتی محمد شفیع (م ۱۳۹۷ھ) دارالعلوم دیوبند کے معتبر اور مستند مفتی تھے۔ تاہم علمائے دیوبند کے عام رجحان کے برعکس مفتی صاحب تحریک پاکستان کے حامی اور اسلامی تشخص کے علمبردار تھے۔ تشبہ کے مسئلے میں ان کا مؤقف علمائے سلف سے مختلف نہ تھا۔ وہ بھی غیر مسلموں کے بارے میں معتدل رائے رکھتے تھے۔ اگر کسی ہندو نے صاف ہاتھوں اور پاک و صاف برتنوں میں کھانا تیار کیا ہے تو اسے مسلمانوں کے لیے جائز سمجھتے تھے۔ البتہ اوپر جو واقعہ ذکر ہوا اس کے بارے میں یہ حکم واضح کرنے کے بعد کہ غیر مسلم کا جوٹھا حرام نہیں ہے، انہوں نے سیاسی حالات کے پیش نظر یہ اضافہ کیا۔

''ہندو چونکہ ہم سے نفرت کرتے ہیں ہماری غیرت کا تقاضا ہے کہ ہم بھی ان سے نفرت کریں۔ ہمیں ان کی دکانوں سے سودا نہیں خریدنا چاہیے صرف اسی وقت خریدیں جب ناگزیر ہو۔ فطرتاً ہندو دوسرے غیر مسلموں کی نسبت زیادہ ناپاک ہیں اس لیے ان کے کھانے سے احتراز بہتر ہے۔ اس کے باوجود ان کے کھانے کو شرعی طور پر ناپاک اور حرام نہیں کہا جاسکتا۔''(44)

حال ہی میں کفار سے مشابہت کے مسئلے پر انٹرنیٹ پر بہت سا مواد شائع ہوا ہے۔ ان مضامین، رسالوں اور کتابوں میں مسلمان مصنفین نے اکثر تشبہ کو بہت وسیع معنوں میں لیا ہے اور کفار کے ساتھ مشابہت میں تعلیم، سیاسی تعاون، سماجی میل جول اور ہر طرح کی دوستی کو ممانعت کے مفہوم میں لیا ہے۔ ان میں سے بعض کتابوں میں تشبہ کی ممانعت کو وہ قطعی حیثیت دیتے ہوئے غیر مسلموں کے ساتھ دائمی حالت جنگ کا نظریہ پیش کیا ہے۔ ان میں سے ایک طویل مضمون ''مسئلہ کفار سے مشابہت پر ایک اجمالی نظر'' اردو میں ہے۔ مصنف کا نام نہیں دیا گیا۔ بقول مصنف یہ مضمون زیادہ تر امام ابن تیمیہؒ کی کتاب اقتضاء الصراط المستقیم .....اور قاری محمد طیب صاحب کی کتاب التشبہ فی الاسلام سے ماخوذ ہے۔ تاہم مصنف نے اس میں بہت سے اہم اضافے بھی کیے ہیں۔ جن کی وجہ سے تشبہ کے تجزیے میں بہت سے جدید مباحث بھی شامل ہو گئے ہیں۔ مصنف نے مضمون کے آخر میں تشبہ اور تشخص کے حوالے سے بہت ہی اہم بات کہی ہے جس سے تشبہ کی بحث کا جدید نظریہ قومیت سے بہت گہرا تعلق سامنے آتا ہے۔

''خلاصہ کلام یہ ہے کہ شریعت میں تشبہ بالغیر کی ممانعت کسی تعصب پر مبنی نہیں بلکہ غیرت اور حمیت اور تحفظ خود اختیاری پر مبنی ہے کہ کوئی قوم اس وقت تک قوم نہیں کہلا سکتی جب تک اس کی خصوصیات اور امتیازات پائیدار اور مستقل نہ ہوں''۔(45)

انٹرنیٹ پر دوسری اہم کتاب جس کا بار بار ذکر آیا ہے وہ شیخ احمد الغماری کی الاستنفار لغز و التشبہ بالکفار ہے۔(46) کتاب کا متن انٹرنیٹ پر نہیں ملتا۔ البتہ جو تلخیص اور اقتباسات ملتے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ اس کتاب کا ماخذ بھی اکثر ابن تیمیہؒ کی کتاب اقتضاء الصراط المستقیم ہے۔ تاہم اس کے علاوہ ابن تیمیہ کے فتاویٰ، شیخ محمد عبدالوہاب کی کتاب التوحید اور مسائل الجاہلیۃ سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ ان اقتباسات سے اندازہ ہوتا ہے کہ کتاب میں تشبہ کی ممانعت میں کفار سے جہاد بھی شامل ہے۔

مندرجہ بالا بحث کو ختم کرتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ کفار سے مشابہت کے مسئلہ کی تاریخ کو چار بڑے ادوار میں دیکھا جا سکتا ہے جن میں اس کی تشریح ہر دور کے تقاضوں کے تحت کی گئی۔ پہلا دور مدنی معاشرت کا ہے،

جہاں مسلمانوں کا دینی تشخص قائم کرنے کے لئے یہود و نصاریٰ اور مشرکین سے تشبہ کو منع کیا گیا۔ دوسرا دور چھٹی صدی ہجری کا ہے، جہاں غیر عرب ثقافتوں اور خصوصاً فارسی ثقافت کے میل جول سے دینی تشخص کا مسئلہ ابھرا۔ اس دور میں دینی اور ثقافتی تشخص میں امتیاز پر زور دیا گیا۔ امام غزالی کی تحریر اسی دور سے تعلق رکھتی ہے۔ تیسرا دور ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری کا ہے، جس میں وسط ایشیا میں منگول اور اندلس میں نصاریٰ کے غلبے سے مسلم تشخص کو درپیش خطرہ میں اضافہ ہوا۔ اس دور میں دینی اور ثقافتی تشخص میں امتیاز مشکل ہو گیا تھا۔ امام ابن تیمیہ نے اس صورت حال پر افسوس کا اظہار کیا اور اس امتیاز پر زور دیا۔ ان کی تحریروں میں دین کے مفہوم میں وسعت کی وجہ سے تشبہ کا مفہوم بھی وسیع ہو گیا۔ تاہم ان کے ہاں بھی تشبہ کی اصل ممانعت کی بنیاد دینی شعار میں مماثلت اور مشابہت کی نیت پر گفتگو رہی۔ چوتھے دور یعنی تیرہویں اور چودھویں صدی میں یورپی استعمار، مغربی ثقافت اور قومیت کی تحریکوں کے پس منظر میں مسلم تشخص کے بارے میں مزید سوالات ابھرے۔ ان مسائل نے مسلم مفکرین کو اس مسئلے کو مزید کھنگالنے کا موقع دیا۔ اس دور میں قومیت اور مغربیت کو مذہب کے نقطہ نگاہ سے دیکھنے کی وجہ سے اکثر ثقافتی امور کو بھی مذہبی شعار میں شامل سمجھا گیا۔ اس لیے بعض مسلم مفکرین نے تشبہ کو بہت زیادہ وسعت دے دی۔ تاہم فتاویٰ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ مسلم فقہاء نے مسلم تشخص کے تعین اور اس کی حفاظت کے لیے صرف دینی پہلو پر زور دیا اور اسے سیاسی اور ثقافتی پہلوؤں سے الگ رکھنے کی کوشش کی۔ ان ادوار کے فتاویٰ میں سیاسی ترجیحات کی وجہ سے غیر مسلموں سے تعلقات کو منع بھی کیا گیا۔ لیکن کفار سے مشابہت کے مسئلے میں شدت اور انتہا پسندی اکیسویں صدی میں پیدا ہوئی، جب مغربی ممالک نے بتدریج دین بے زاری کی راہ اختیار کی۔ مسلمانوں میں قدامت پسند طبقے نے انیسویں صدی میں مغربی یلغار کے مقابلے میں حفاظت دین کا راستہ اختیار کیا تھا، جس میں انہوں نے مسلم معاشروں اور اسلام کو دنیا کے دوسرے معاشروں اور مذاہب سے الگ تھلگ رکھنا بہتر سمجھا۔ اس علیحدگی پسندی سے اسلام اور مغرب میں ایک خلیج پیدا ہوئی، جسے مغرب کی بالادست سوچ نے مزید وسیع کر دیا۔ ان تمام بین الاقوامی سیاسی عوامل کا ردعمل ہے کہ مسلم معاشروں میں مذہبی اور ثقافتی رواداری کمزور پڑتی گئی۔ مغربیت کی سیاسی مخالفت میں بھی اہل مغرب کا تشخص یہود و نصاریٰ کے طور پر کیا گیا اور ان کے تشبہ کی مخالفت اور ممانعت بھی مذہبی بنیادوں پر کی گئی۔

دنیا کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو اٹھارویں صدی تک مسلمان معاشرے رواداری اور وسعت نظری کی مثال رہے۔ اس کے مقابلے میں یورپ میں مذہبی رواداری اور ثقافتی تنوع نہ ہونے کے برابر تھا۔ یورپی ثقافتیں، مذہبی وحدت اور ثقافتی اتحاد کے اصول پر عمل کرتی تھیں۔ مختلف مذہب، زبان اور ثقافت کے لوگوں سے یہ توقع رکھی جاتی تھی کہ وہ جلد از جلد مقامی تہذیب میں ضم ہو جائیں۔ مسلم معاشروں میں اسکندریہ، بیروت، استنبول، دہلی، لاہور اور دوسرے شہروں میں مختلف مذاہب اور ثقافتوں کے لوگ ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ ہسپانیہ میں مسلمانوں کے دور تک نصاریٰ، یہود اور مسلمان تہذیب و تمدن کے ارتقاء میں برابر کے شریک تھے، لیکن آٹھویں صدی ہجری میں جب نصاریٰ کا غلبہ ہوا تو مسلمانوں

> مغربیت کی سیاسی مخالفت میں بھی اہل مغرب کا تشخص یہود و نصاریٰ کے طور پر کیا گیا اور ان کے تشبہ کی مخالفت اور ممانعت بھی مذہبی بنیادوں پر کی گئی۔

اور یہود کے لیے ہسپانیہ میں کوئی جگہ نہیں رہی۔ ہسپانیہ سے نکالے گئے یہود کی بڑی پناہ گاہ سلطنت عثمانیہ اور شمالی افریقہ کے مسلمان معاشرے تھے۔ یورپ، امریکہ، آسٹریلیا میں آج بھی باہر سے آنے والوں سے یہی توقع کی جاتی ہے کہ وہ مقامی زبان اور ثقافت اختیار کریں گے۔ مسلمانوں اور مغربی اقوام میں بڑھتی ہوئی دوریوں کی جہاں کفار سے مشابہت کی جدید سیاسی توجیہات ذمہ دار ہیں وہاں مغربی اقوام کے ہاں ثقافتی برتری اور سیاسی بالادستی کے نظریات اور قومی اور ثقافتی تشخص کے ایسے تصورات بھی ہیں جو مذہبی رواداری کو بہت ہی محدود کرتے ہیں اور قدامت پسند مسلمانوں کے اس احساس کو تقویت دیتے ہیں کہ مسلمانوں اور مغربی اقوام کے درمیان امتیاز کی اصل بنیاد مذہب ہے۔ کفار سے مشابہت کا مسئلہ دینی اور ثقافتی تشخص میں امتیاز کرتے ہوئے سیاسی اور سماجی تعاون اور ہم آہنگی کی بنیادیں فراہم کر سکتا تھا لیکن قومی سطح پر ہی نہیں بلکہ عالمی سطح پر بھی اسے تہذیبوں میں تصادم، اسلامیت اور مغربیت کے مابین کش مکش کے عنوان سے دیکھا گیا اور اسلامی تشخص کی تعریف اسلام اور کفر کے درمیان جنگ کے حوالے سے کی جانے لگی۔ تشخص دراصل بہت سی پہچانوں کا مجموعہ ہے اور ہر پہچان کا موقع اور سیاق الگ الگ ہیں۔ ان کو خلط ملط کر دینے سے ہی مسائل جنم لیتے ہیں۔

حواشی

۱- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ (بیروت: دارالکتب العلمیہ، ۱۹۹۰ء) جلد ۷، ص ۱۶۶۔ حضرت ابوالجلد الجونی از دقبیلہ سے تعلق رکھتے تھے اور حدیث کے ثقہ راویوں میں شمار ہوتے ہیں۔ ابن سعد نے ان کی بیٹی میمونہ کا بیان نقل کیا ہے: قالت کان ابی یقرأ القرآن فی کل سبعة ایام ویختم التوراة فی ستة یقرؤها نظرا فاذا کان یوم ختمها حشد لذلك ناس و کان یقول کان یقال تنزل عند ختمها الرحمة۔

۲- ابوداؤد، سنن (ریاض: دارالسلام، ۲۰۰۰ء)، ص ۱۵۱۸

۳- ابن حنبل، مسند (ریاض: دارالسلام، ۲۰۰۰ء) حدیث نمبر ۴۸۶۹

۴- سنن ابی داؤد، باب لبس الشھرۃ، ص ۱۵۱۸

۵- ترمذی، جامع (ریاض: دارالسلام، ۲۰۰۰ء) ص ۱۹۲۳

۶- علمائے حدیث میں سے علامہ المنذریؒ (م ۶۵۶ھ)، حافظ السخاویؒ (م ۹۰۳ھ) اور علامہ المناویؒ (م ۱۰۳۱ھ) کے نزدیک اس حدیث کے سلسلہ رواۃ میں عبدالرحمٰن بطور راوی ضعیف ہیں۔ تاہم حافظ السخاوی نے اس بناء پر ان کی روایت کو قابل قبول قرار دیا ہے کہ ان الفاظ میں نہیں لیکن اس معنی میں اور روایات بھی موجود ہیں۔ امام ابن تیمیہؒ (م ۷۲۹ھ) اور امام ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) کے نزدیک اس روایت میں کوئی ضعف نہیں۔

۷- الغزالی، احیاء علوم الدین (بیروت: دارالمعرفت۔ ت۔ن) ج ۲، ص ۱۶۸

۸- ایضاً صفحہ ۲۰۳

۹- ایضاً صفحہ ۲۰۵

۱۰- بخاری، صحیح (ریاض: دارالسلام، ۲۰۰۰ء) حدیث نمبر ۳۶۲۷، ۳۶۲۸

۱۱- بخاری، صحیح (ریاض: دارالسلام ۲۰۰۰ء) احادیث نمبر ۲۷۱۸، ۵۵۲۵، ۵۵۷۰، ۵۷۸۶، ۵۹۲۲، ۶۳۱۳ اور ۶۳۱۵۔

۱۲- صحیح بخاری، حدیث نمبر ۵۷۵۸ اور ۶۳۱۶

۱۳- امام ابن تیمیہ، اقتضاء الصراط المستقیم مخالفة اصحاب الجحیم (لاہور: مکتبہ سلفیہ ۱۹۷۸ء)، ص ۱

۱۴- ایضاً

۱۵- ایضاً ص ۸۳

۱۶- ایضاً ص ۱۳ و مابعد

۱۷- ایضاً ۱۲-۱۳

۱۸- ایضاً ص ۱۲۱

۱۹- ایضاً ص ۲۱۶

۲۰- ایضاً ص ۲۲۰

۲۱- ایضاً ص ۲۳۹

۲۲- ایضاً ص ۱۸۰

۲۳- ابوالطیب محمد شمس الحق عظیم آبادی، عون المعبود شرح سنن ابی داؤد (قاہرہ، مکتبہ ابن تیمیہ، ۱۹۸۷ء) ج ۱۱ ص ۴۷

۲۴- ایضاً ص ۷۵

۲۵- سید احمد خان کا یہ مضمون تھذیب الاخلاق، جلد چہارم میں ۱۸۷۳ء میں شائع ہوا۔ یہ مضمون محمد اسماعیل پانی پتی کی مرتبہ مقالات سر سید (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۲ء، صفحات ۳۳۱-۳۸۳) میں شامل ہے۔

۲۶- سید احمد خاں، مقالات سرسید، مرتبہ اسماعیل پانی پتی، صفحات ۹۰-۹۴

۲۷- قاری محمد طیب، التشبہ فی الاسلام (لاہور: ادارہ عثمانیہ، ۱۹۶۳ء) صفحات ۳۵۲-۳۵۸

۲۸- ایضاً صفحہ ۱۰۳، قاری صاحب نے کنز العمال کے حوالے سے آذربیجان کی عرب رعایا کے نام حضرت عمرؓ کے ایک طویل فرمان سے چند جملے نقل کیے ہیں جن میں بقول قاری صاحب ''قومی خصائص کے ابقاء پر کس شدت کے ساتھ عربوں کو ابھارا گیا ہے اور ان کی قومی روایات کو یاد دلایا گیا ہے''۔ اسی میں یہ جملہ ہے وعلیکم بالشمس فانها حمام العرب۔ یہاں یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ اسی اقتباس میں حضرت عمرؓ عربوں کو اپنے جد اعلیٰ حضرت اسماعیل کا لباس پہننے اور سراویل (شلوار یا پاجامہ) ترک کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ قاری صاحب نے والقوا السراویلات کا ترجمہ یوں کیا ہے ''پاجاموں کے (پابند مت ہو)'' ترجمے میں یہ ''رعایت'' اس لیے کی گئی کہ برصغیر میں مسلمان پاجامہ پہنتے تھے۔

۲۹- ایضاً ص ۴۵

۳۰- ایضاً ص ۲۶

۳۱- ایضاً ص ۶۱

۳۲- ایضاً صفحات ۱۲۵-۱۳۵

۳۳- فتاویٰ عزیزی (کراچی: سعید اینڈ کمپنی، ۱۹۸۷ء) ص ۳۱۷

۳۴- مجموعة الفتاویٰ عبدالحئی (کراچی: قرآن محل، ۱۹۶۴ء) ص ۵۱۲

۳۵- فتاویٰ رشیدیہ (لاہور، مکتبہ رحمانیہ، ت۔ن) ص ۱۲۱۵

۳۶- ایضاً ص ۲۴۷

۳۷- امداد الفتاویٰ (کراچی: مکتبہ دارالعلوم، ۱۹۷۵ء) ص ۲۶۸

۳۸- کفایة المفتی (ملتان: مکتبہ امدادیہ، ت۔ن)، ج ۹، ص ۳۱۹

۳۹- ایضاً ص ۲۳۰

۴۰- ایضاً ص ۳۲۷

۴۱- ایضاً ص ۳۲۰

۴۲- ایضاً ص ۳۳۹

۴۳- ایضاً ص ۳۴۰

۴۴- امداد المفتین (کراچی: دارالاشاعت، ۱۹۷۷ء)، ج ۳، ص ۵۱

۴۵- http://www.deenislam.com/tashabbuh

۴۶- الشیخ احمد بن صدیق الغماری، الاستنفار لغز والتشبہ بالکفار (----- دارالبشائر الاسلامیہ: ۱۹۸۸ء)